بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یوں تو اس ملک پر اُسی روز سے فسطائیت کے منحوس سائے پڑنے شروع ہو گئے تھے جس روز ملک غلام محمد گورنر جنرل نے دستور ساز اسمبلی کو توڑا۔ اُس دن کے بعد جو صبح بھی طلوع ہوئی اُس نے ملک کو جمہوریت سے دُور اور فسطائیت سے قریب تر کیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب کے دور میں حکومت نے قریب قریب سارے فسطائی ہتھکنڈے آزمانے کی کوشش کی مگر کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ مارشل صاحب کے بعد یحییٰ خان بھی انہی ہتھکنڈوں کو برابر استعمال کرتا رہا، یہاں تک کہ آبادی کے لحاظ سے ملک کا نصف سے زاید حصہ الگ ہو کر دشمن کے قبضے میں چلا گیا۔

ان فسطائی رجحانات اور تجربات کے عبرتناک انجام کو دیکھتے ہوئے اس بات کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ ملک کے بہی خواہ اب ان منفی رجحانات اور آگ سے کھیلنے کے تجربات سے پوری طرح اجتناب کریں گے اور ان کی جگہ وہ دینی رجحانات کو فروغ دیں گے اور جمہوری روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کی تعمیر و ترقی کی طرف متوجہ ہوں گے مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

توقعات کے یہ خیالی خاکے قلب و نگاہ کو نشاط و آسودگی بخشنے بھی نہ پائے تھے کہ برسر اقتدار گروہ کے تشویشناک عزائم کھل کر سامنے آنے لگے اور ایک معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے آدمی پر بھی یہ حقیقت عیاں ہونے لگی کہ اس ملک کے عوام کے ساتھ سخت دھوکہ ہوا ہے اور جو جماعت "اسلام ہمارا دین اور جمہوریت ہماری سیاست" کے بلند بانگ دعوے لے کر اٹھی تھی وہ اس ملک سے دین کو مٹانے اور فسطائیت کو قائم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے۔

پیپلز پارٹی کو اسلام سے کسی حد تک تعلقِ خاطر ہے اور وہ دین کی سربلندی کے لیے کس قدر سرگرم عمل ہے اُس کے اندازے کے لیے کسی غیر معمولی فراست اور بصیرت کی ضرورت نہیں۔ جو شخص تھوڑی سی عقل بھی رکھتا ہے اور جو اسلامی تعلیمات سے یکسر بے بہرہ نہیں اور جسے تعصب یا مفادات کی محبت نے بالکل اندھا نہیں کر دیا اُسے "اسلام ہمارا دین ہے" کے نعرے کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہے اس معاملے میں وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہیں اس لیے ہم برسرِ اقتدار جماعت کی اسلامی اور دینی "خدمات" پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے البتہ ہم اس کے فسطائی عزائم کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ اس ملک کے خیر خواہ اچھی طرح جان لیں کہ اس ملک کو کسی خطرناک راہ پر دھکیلا جا رہا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ کسی ملک پر فسطائی نظام کو ایک ہی لگے بندھے طریق سے مسلط نہیں کیا جاتا۔ کبھی کسی ملک کی فوج سارے دستوری ضابطوں کو پامال کرتی ہوئی تختِ اقتدار پر قابض ہو جاتی ہے اور کبھی کسی ملک میں سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کو اسی حد تک پریشان کُن بنا دیا جاتا ہے کہ آزادی کی فضا عوام کے لیے ایک ہولناک عذاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جس ماحول کو وہ آزادی کا ماحول سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت ایک ایسا ماحول ہے جس میں انہیں تو کوئی آزادی حاصل نہیں البتہ ظلم و استبداد کے دیو انسانی لہو چاٹنے کے لیے یکسر آزاد ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود آزادی کی اس بھیانک فضا سے بھاگتا ہے اور اس کی جگہ کسی ایسے قید خانے کے اندر پناہ لینے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے جس میں وہ اپنے جسم اور روح کے رشتے کو ذرا اطمینان کے ساتھ قائم رکھ سکے۔

فسطائیت خواہ پہلے طریق سے آئے یا دوسرے طریق سے بہر حال جور و استبداد کا ایک ظالمانہ نظام ہی مسلط کرتی ہے لیکن دوسرے طریق سے لائی ہوئی فسطائیت نتائج کے اعتبار سے کسی قوم کے لیے زیادہ تباہ کُن ہوتی ہے۔ ان دونوں طریقوں سے لائی ہوئی فسطائیت کے مابین نتائج کے لحاظ سے جو فرق ہوتا ہے اُسے اس ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی کو پولیس اچانک پکڑ کر جیل میں ڈال دے اور دوسرے کو اوباش اور بدقماش لوگوں کے ہاتھوں اس قدر ستایا جائے اور اس کے دل و دماغ میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی اور عزت و ناموس کے عدمِ تحفظ کا اس قدر شدید احساس پیدا کر دیا جائے کہ وہ خود پولیس سے یہ درخواست کرے کہ اسے اور اُس کے بیوی بچوں کو

قید خانے میں ڈال کر انہیں ان پریشانیوں اور مصائب سے نجات دلائی جائے۔

جس فرد کو اچانک پکڑ کر حوالۂ زنداں کر دیا جاتا ہے وہ بلاشبہ کچھ مدت تک حیران و ششدر تو ضرور رہتا ہے کہ آخر اُس پر یہ اَن ہونی افتاد کیوں پڑی ہے لیکن اُس کے حواس جلد ہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اُس کے ذہن کو مفلوج کرنے کے لیے فسطائیت جو ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن جس شخص کے جسم اور روح کو اس قدر کچوکے دیئے جائیں کہ وہ قید خانے کی زندگی کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دینے پر آمادہ ہو جاتے اور قید وبند کی سعوبتوں کو آزادی کی "برکات" کے مقابلے میں اپنے لیے زیادہ بہتر خیال کرنے لگے اُس سے اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی بھی ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کی جسارت کریگا۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے فوجی انقلاب کے ذریعہ اس ملک میں فسطائی نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور جب فوج نے اس خطۂ پاک پر اچانک قبضہ کیا تو ملک کی پُوری آبادی مبہوت ہو کر رہ گئی۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس پر کیا بیتی ہے اور فوج کا وہ سربراہ جسے اس ملک کے عوام نے دفاعِ وطن کا مقدس فرض سونپ رکھا تھا اُس نے کیونکر اُن کی آزادی سلب کر لی ہے۔ دو تین سال تک اُن پر سکتے کا عالم طاری رہا اور وہ خاموشی سے اُن ساری چالوں کو دیکھتے رہے جو ان کے ذہن کو مفلوج کرنے اور آزادی کے احساس سے محروم کرنے کے لیے چلی جا رہی تھیں لیکن چونکہ انہوں نے اپنے مستقبل سے یکسر مایوس ہو کر خود اپنی مرضی سے غلامی کا طوق نہیں پہنا تھا اس لیے جلد ہی اُن کے دلوں میں فیلڈ مارشل صاحب کے آمرانہ عزائم کے خلاف ردِّعمل شروع ہُوا جس نے بڑھتے بڑھتے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی اور وہ عوام کو اُن کے چھنے ہوئے حقوق دینے پر آمادہ ہو گئے مگر فاشزم کے علمبرداروں کو اصلاحِ حال کی یہ صورت کب گوارا تھی چنانچہ انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ملک جمہوریت کی راہ پر آتے آتے پھر فسطائیت کی راہ پر چل نکلا۔

یحییٰ خاں نے حالات کو بہتر بنانے کی قطعاً کوشش نہ کی بلکہ بگڑتے ہوئے حالات کو سرعت کے ساتھ بگاڑنے کا التزام کیا۔ اُس کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف دکھائی دیتی تھی کہ وہ ملک

کی تعمیر کا خواہاں نہیں بلکہ اُس کی تخریب کے درپے ہے اور اس کے باشندوں کو خلفشار کے ذریعے پوری طرح مفلوج کر دینا چاہتا ہے۔

فوجی آمریت کے ذریعے فسطائیت کا تسلط بھی اگرچہ کسی قوم کے لیے کم اذیت ناک تجربہ نہیں ہوتا مگر جو فسطائیت، خلفشار، دہشت پسندی، دھونس، دھاندلی، عدم تحفظ کے شدید احساس، اور معاشی انصاف کے پردے میں معاشی استحصال اور ناانصافی کے جلو میں آتی ہے وہ نتائج کے لحاظ سے انتہائی تباہ کن ہوتی ہے کیونکہ اس میں پہلے آزادی کے احساسات کو مُردہ کیا جاتا ہے اور پھر اُن کے مدفن پر فسطائیت کا محل تعمیر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے علمبردار عوامی جذبات سے یکسر بے پروا ہو کر انسانوں کو جس طرح چاہتے ہیں استبداد کی چکی میں پیستے ہیں اور انہیں کسی قسم کا کوئی کھٹکا محسوس نہیں ہوتا کیونکہ عوام کے اندر ظلم کے خلاف احتجاج کی قوت تو کیا اُن کے اندر آہ بھرنے کی سکت بھی باقی نہیں رہتی۔

ہم اسے اپنے ملک کے لیے انتہائی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ وہ قوم جس پر تیرہ برس تک فوجی آمریت کے ذریعے فسطائیت مسلط کرنے کے پیہم تجربات کیے جاتے رہے ہیں اس میں اب خلفشار اور تشدد کے ذریعے اس ظالمانہ نظام کو رواج دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ وہ قوم جو عرصہ دراز تک فوجی آمریت کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بن چکی ہے اُسے اب عوامی حکومت عوامی مفاد کے نام پر استبداد کی بھٹی میں جھونک رہی ہے تاکہ اس کی انسانیت جھلس کر رہ جائے اور اس کی آرزوئیں اور تمنائیں جل کر خاکستر ہو جائیں اور اس کے اندر کبھی بھی یہ احساس زندہ نہ ہونے پائے کہ وہ ذی روح انسانوں کا گروہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کی خلعت عطا کر کے اس دنیا میں اتارا ہے۔ اس لیے وہ بندوں کی غلامی کے لیے نہیں بلکہ خدا کی غلامی کے لیے پیدا ہوئی ہے اور جو فرد یا گروہ اجتماعی مفاد کے نام پر اس کے انسانی حقوق سلب کرتا ہے وہ اس کا بہی خواہ نہیں بلکہ اس کا دشمن ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی "عوامی آمریت" کی راہ سے فسطائی نظام کو برپا کیا گیا ہے وہاں حکومت اور عوام کے اندر چند پہلو بڑے بڑے نمایاں نظر آتے ہیں:

● برسرِ اقتدار طبقے کی زبان پر ہر وقت عوامی مفاد کا وِرد رہتا ہے اور عوام، عوام کے نعرے سن کر لوگوں کے کان پک جاتے ہیں مگر عوام کے لیے سوائے الفاظ کی شعبدہ بازی کے اور کچھ نہیں کیا جاتا اور ان بے چاروں کو صرف طفل تسلیوں پر زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

● دعویٰ تو اس امر کا کیا جاتا ہے کہ حکومت عوام کی ہے مگر عوام کے خلاف سازشیں کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ بے بس بنانے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ حکومت کا مزاج سرتاپا آمرانہ اور جابرانہ ہوتا ہے۔

● فسطائی عزائم رکھنے والی "عوامی حکومت" اس بات کا پورا پورا اہتمام کرتی ہے کہ ایک خاص شخصیت کو قوت و طاقت کا واحد سرچشمہ بنا دیا جائے اور اس کے ساتھ عوام کے ذہنوں میں یہ باطل خیال راسخ کیا جائے کہ یہ شخصیت ہر خطا سے پاک اور منزّہ ہے اور اس سے غلطی کا صدور ممکن ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام زندگی کے ہر معاملے میں قوت کے اس واحد سرچشمے کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور چونکہ اس کے بارے میں منزّہ عن الخطا ہونے کا تصور بھی قائم ہوتا ہے اس لیے اس کی ہر بات کو حکمِ خداوندی کی سی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ہٹلر کے بارے میں نازی ازم کے علمبردار یہ بات برملا کہا کرتے تھے کہ جو کچھ ہٹلر کہتا اور کرتا ہے اس میں خدا کی رضا پوری طرح شامل ہے۔

● حکومت کے کاموں میں نمائش کا عنصر بہت زیادہ غالب ہوتا ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے جا رہے ہیں اور عوام جلد ہی جنتِ ارضی کی نعمتوں سے مالا مال ہونے والے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں کچھ نہیں ہوتا۔ عوام اپنے حالات میں کوئی بہتری محسوس نہیں کرتے بلکہ انہیں تیزی سے بگڑتا ہوا دیکھتے ہیں۔ حکمرانوں کا زیادہ وقت تقریروں، کانفرنسوں اور بیان بازیوں میں صرف ہوتا ہے اور اصل مسائل کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

● فسطائیت کی علمبردار حکومت ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ لوگوں کی اجتماعی زندگی زیادہ سے زیادہ خلفشار کی نذر ہو۔ اس لیے وہ ملک کے اندر انتشار پھیلانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ایسی پالیسیاں بناتی ہے جن سے معاملات سلجھنے کے بجائے الجھتے ہیں اور عوام کے اندر اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی کے احساسات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

● فسطائی نظام دہشت اور غنڈہ گردی کے بل بوتے پر آگے بڑھتا ہے اور خوف و ہراس کی مدد سے اپنا تسلّط قائم رکھتا ہے۔

فسطائیت کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس نظام کے داعی قوم کو کس حد تک سطحی جذباتیت کا خوگر بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، کیونکہ عوام کے فکری جہاز جس حد تک بے لنگر ہوں گے اسی نسبت سے فسطائیت کے علمبردار طوفان اٹھا کر انہیں جس طرف چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے۔ جس قدر کوئی قوم ذہنی اعتبار سے متوازن اور جذباتی لحاظ سے معتدل ہو گی اسی تناسب سے اس میں فسطائی نظام کا قیام ناممکن ہو گا۔

فسطائیت کی ان چند موٹی موٹی خصوصیات کو سامنے رکھ کر جب ہم پاکستان کے موجودہ حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے لیے اس تلخ حقیقت کا انکار ناممکن ہوتا ہے کہ اس ملک کو بڑی سرعت کے ساتھ فسطائیت کے جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ جن راہوں سے یہ نظام آتا ہے ان سب راہوں کو نہ صرف کھول دیا گیا ہے بلکہ انہیں اچھی طرح کشادہ بھی بنا دیا گیا ہے تاکہ اس کی پیش قدمی میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہونے پائے، بلکہ ان راہوں میں جو موانع موجود تھے انہیں پوری قوت کے ساتھ ہٹایا جا رہا ہے۔ پھر داخلی طور پر بھی وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس سے لوگ فسطائیت کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان صفحات میں ہمارے لیے ان ساری تدابیر کا ذکر تو ممکن نہیں جو اس فسطائی انقلاب کی کامیابی کے لیے اختیار کی جا رہی ہیں، ہم یہاں چند چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو حقیقتِ حال معلوم ہو سکے۔

فسطائیت کی کامیابی کی پہلی منزل یہ ہے کہ عوام پریشان فکری اور پریشان نظری کا شکار ہوں۔ اُن کا گوہرِ مقصود ان کی نظروں سے یکسر اوجھل ہو جائے اور انہیں کچھ معلوم نہ ہو کہ انہیں کدھر جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ اُن کی حیثیت اُن بھولے بھٹکے تشنہ لب راہیوں کی سی ہو جو ریت کے چمکتے ہوئے ذروں کو اُبلتے ہوئے چشمے سمجھ کر ان کے پیچھے بھاگتے پھریں اور بالآخر نڈھال ہو کر کسی "خضرِ راہ" کے انتظار میں بیٹھ جائیں۔ ہماری قوم میں اس ذہنی انتشار اور تھکن کے اثرات نہایت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ احیائے دین کے مقدس نصب العین اور اسلام کی محبت نے ہمیں ذہنی اعتبار سے یکسوئی اور جذباتی لحاظ سے استحکام اور توازن عطا کر رکھا تھا مگر افسوس کہ ہم نے قوت و طاقت کے اس اتھاہ خزانے کی قطعاً قدر نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری جدوجہد کی کوئی سمت اور صلاحیتوں کا کوئی تعمیری مصرف باقی نہ رہا۔ ہماری اس پریشان نظری

سے دشمنوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور قومیّت کے اسلامی تصوّر کی جگہ ہمارے دلوں میں چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے چھوٹے بتوں کو نصب کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس تبدیلی کے نتائج آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ قوم جو آج سے تیرہ سو برس پیشتر یہ دعویٰ لے کر اُٹھی تھی کہ انسان اور انسان کے مابین رنگ، نسل اور زبان کے امتیازات انسانیت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہیں، اُس کے افراد آج خود ان امتیازات کی بنا پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ سندھ میں جو کچھ ہُوا ہے۔کیا اسلام کے رشتۂ اخوت میں منسلک ہونے کے بعد اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے تصور کے اُبھرنے سے ملت کا شیرازہ منتشر ہونا بالکل ناگزیر ہے اور یہ فکری انتشار لادینی نظاموں کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے۔ اگر حکومت کو فسطائی نظام کی جگہ جمہوری نظام نافذ کرنا مطلوب ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس ذہنی خلفشار کے تدارک کی فکر کرتی اور نہ صرف اسلام کے بارے میں مثبت طرزِ عمل اختیار کر کے قوم کے اندر ذہنی یکسوئی پیدا کرنے کا سامان کرتی بلکہ اس ملک میں دینِ حق کے خلاف جتنے منفی رجحانات پھیلائے جا رہے ہیں ان کی یلغار کو روکنے کے لیے ابلاغ عامہ کے سارے ذرائع پوری قوت اور عزم کے ساتھ استعمال میں لاتی تاکہ قوم کے اندر پریشان فکری کے بجائے سلامتیٔ فکر پیدا ہو۔ آپ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن کے صرف ایک دن کے پروگراموں کا جائزہ لیں، سرکاری اخبارات کے اداریوں، شہ سرخیوں اور مضامین پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالیں تو آپ کو حکومت کے عزائم کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

حکومت نے جس انتشار کے بیج عوام کے ذہنوں میں بوئے ہیں اُس کے تلخ ثمرات قومی زندگی کے ہر گوشے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اربابِ اقتدار نے صرف اس پریشان فکری پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اجتماعی زندگی کے اہم شعبوں میں اصلاحات کے نام پر بعض ایسی تبدیلیاں کی ہیں کہ اُن کے اندر زبردست بگاڑ پیدا ہُوا ہے جس نے اجتماعی زندگی کے توازن کو بالکل تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ ان اصلاحات کا مقصد ہی حیاتِ اجتماعی میں خوفناک قسم کا خلفشار پیدا کرنا تھا تاکہ فسطائیت کے لیے حالات کو سازگار بنایا جائے۔ دستور کو دیکھیے تو وہ پریشان نظری کا ایک بھیانک نقشہ پیش کرتا ہے۔ مرکز میں صدارتی نظام نافذ ہے تو صوبوں میں پارلیمانی نظام کی عملداری ہے۔ پھر راگ تو جمہوریت کا الاپا جاتا ہے (باقی صفحہ ۳ پر)

(بقیہ اشارات)

مگر عملاً ملک میں اندھی بہری آمریت کا تسلط قائم ہے، جو یونان کے بے بصر دیوتاؤں کی طرح جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ معمولی عہدے دار تو کیا اونچے مناصب پر فائز لوگوں کو بغیر کوئی وجہ بتائے یہ یک بینی دو گوش ان مناصب سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ جو فرد بھی سرکارِ عالی مدار اور ان کے ہم رکاب لوگوں کے افعال اور اعمال پر کوئی معمولی سی بھی گرفت کرتا ہے اسے ایک نادر شاہی فرمان کے مطابق جیل میں ٹھونس دیا جاتا ہے اور اس بیچارے کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ اُسے آخر کس جُرم کی پاداش میں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ اس پر نہ کوئی مقدمہ چلایا جاتا ہے اور نہ اسے صفائی کا کوئی موقع دیا جاتا ہے۔ پھر جیل میں بھی اُسے انتقامی کارروائیوں کا برابر ہدف بنایا جاتا ہے۔

یہ ہے اس ملک میں جمہوریت کی اصل تصویر اور برسرِ اقتدار طبقے کے جمہوریت کے دعووں کی حقیقت

سیاسی زندگی سے ہٹ کر جب ہم معاشی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہاں بھی خلفشار کے نہایت بھیانک اور خوفناک مناظر کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ مزدور کی شبِ تاریک کے خاتمے کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے اور اس کے لیے چند صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا اعلان بھی جاری ہوتا ہے لیکن یہ مژدہ سناتے وقت اور یہ اعلان جاری کرتے وقت قطعاً نہیں سوچا جاتا کہ پیدائش دولت کا عمل کوئی طلسماتی کھیل تو نہیں جسے جادو کی چھڑی سے جس وقت جادوگر چاہے کھیل لے۔ اس کے لیے حکیمانہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے تاکہ ایک طرف تو سرمایہ کاری کا دائرہ مسلسل بڑھتا رہے اور معاشرہ بے روزگاری کی دستبرد سے محفوظ رہے اور دوسری طرف قیمتوں میں استحکام پیدا ہو کیونکہ اگر قیمتوں کی عنان کسی معاشرے کے ہاتھ سے چھوٹ جاتے تو پھر اُن کی سرکشی کو روک کر ان کے اندر اعتدال پیدا کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ معاشی میدان میں پیہم بے تدبیریوں کی وجہ ہی سے جرمنی میں روزگار اور قیمتوں کے توازن کو شدید جھٹکے لگے اور خوف و ہراس کی ایسی کیفیت پیدا ہو گئی جو بالآخر فسطائیت کے قیام پر منتج ہوئی۔ ہمارے ہاں بھی طفلانہ حرکتوں کے ذریعے معاشی زندگی کو سنوارنے کے دعوے کیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حالات ہر لحظہ بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ کسی ملک کی سب سے بڑی معاشی

ضرورت یہ ہوتی ہے کہ ملک کے وسائل سے مکمل روزگار کی آئیڈیل کو سامنے رکھتے ہوئے بھرپور فائدہ اٹھانے کا انتظام کیا جائے مگر ہمارے ہاں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جارہی بلکہ سستی شہرت کے حصول کے لیے خوش کن نعروں کی بھرمار سے محنت کشوں کا دل بہلایا جارہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ کاری کا دائرہ سکڑنے کی وجہ سے پیدائش دولت اور روزگار میں تشویشناک حد تک کمی ہو رہی ہے اور اس کے مقابلے میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے جس نے ایک نادار اور مفلس تو کیا ایک اوسط درجے کی آمدنی رکھنے والے شخص کی زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔

تعلیمی میدان میں بھی بڑی خوش کن تبدیلیوں کے اعلانات کیے جارہے ہیں مگر جو شخص بھی ان آنے والی تبدیلیوں کا ذرا دقتِ نظر سے مطالعہ کرتا ہے اُس کے لیے یہ جاننا کچھ مشکل نہیں کہ اُن سے اصلاحِ احوال کی توقع کم اور خلفشار کا خدشہ کہیں زیادہ ہے اور عین ممکن ہے کہ ان تبدیلیوں سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے بالکل معطّل ہو کر رہ جائے اور فسطائیت کو تعطّل کی اس فضا میں قدم بڑھانے کے مواقع میسر آئیں۔ یہ اندوہناک صورت حال فسطائیت کے علمبرداروں کے لیے تو خوشی اور مسرت کا باعث ہو سکتی ہے مگر اس ملک کے حقیقی بہی خواہوں کے لیے سخت وجہ پریشانی ہے جو اس ملک کو اس لعنت سے محفوظ و مامون دیکھنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک اس ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت پسندی اور غنڈہ گردی کا تعلق ہے اس کی قہرمانیوں سے ہر شخص پوری طرح واقف ہے کیونکہ سماج دشمن عناصر کے حوصلے اب اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ وہ ہر کام بڑی دلیری کے ساتھ دن کی روشنی میں کرتے ہیں اور کوئی ان سے باز پرس کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ قتل، ڈاکہ زنی، چوری، اغوا اور اسی نوعیت کے دوسرے سنگین جرائم ہماری زندگی کا معمول بن گئے ہیں۔ ان جرائم کے بڑھنے سے عوام کے اندر عدمِ تحفظ کا احساس پرورش پاتا ہے جو فسطائیت کے قیام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جو فرد اپنی زندگی اور عزت و آبرو کو محفوظ سمجھتا ہے اُس کے اندر اپنے انسانی اور شہری حقوق کے تحفظ کا احساس بھی انگڑائیاں لیتا ہے، لیکن جو شخص اپنی زندگی کو ہر لمحہ غیر محفوظ پاتا ہے وہ ایسی غلامی کو اپنے لیے بہت بڑی نعمت خیال کرتا ہے جس کا طوق پہننے سے اُس کی زندگی کا تحفظ ہو جائے۔

سید ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن سے شائع کیا۔ پرنٹر: محمد شفیع